www.rahimia.org

شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ رحیمیہ لاہور

مئی 2026ء / ذوالحجہ ۱۴۴۷ھ

جلد نمبر 18، شمارہ نمبر 5 قیمت: 40 روپے • سالانہ ممبرشپ: 450 روپے

بانی

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری

قَدَّسَ اللّٰہُ سِرَّہُ السَّعِید مسند نشین رابع خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مدیرِ اعلیٰ

حضرت اقدس مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

جانشین حضرت اقدس رائے پوری رابعؒ

مجلسِ ادارت

ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن (سرپرست)

مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی (صدر)

مولانا مفتی محمد مختار حسن (صدر انتظامیہ)

انیس احمد سجاد ایڈووکیٹ (مدیر)

ترتیبِ مضامین

- شعائر اللہ میں سے حج اور عمرہ کا تزکیۂ اَخلاق میں کردار
- نااہلوں کا اقتدار، قیامت کی نشانی
- حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا
- بدلتا عالمی منظر نامہ اور مزاحمت کا اُبھرتا ہوا اِنقلاب
- ''قلب'' سے متعلق ''احوال'' (2)
- سلطان محمد فاتح کی دیگر فتوحات
- عیدالاضحیٰ: ابراہیمی سنت اور اجتماعی شعور کا مظہر
- عیدین: اتحاد، شعائر اور دینی قوت کا مظہر
- حقیقی ابراہیمی تعلیمات اور جدید مغالطے
- حقیقتِ عید: رؤیتِ ہلال، تزکیہ اور دینی شعور
- اسلامی سلطنت کی پہلی کرنسی
- تقریب بسلسلۂ افتتاح بخاری شریف وعلومِ اسلامیہ کورس
- دینی مسائل

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہ مسند نشین ثانی خانقاہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

(حضرت رائے پوریؒ نے اس سوال کہ:) سلوک کیا ہے؟ (کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ:)

''جو مَیں سمجھتا ہوں، وہ یہ ہے کہ ''اللہ میاں (کے منشا) کی طرف چلنا''۔ اس چلنے (سفر) میں بعض اوقات عوارض (یعنی رُکاوٹیں) پیدا ہو جاتے ہیں، ان کو دور کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کو کوئی عارضہ پیش آ گیا اور وہ اس کے علاج کے لیے مجبور ہو گیا تو یہ کیا ضروری ہے کہ تندرست آدمی بھی اس علاج کی تقلید کرے (کیوں کہ ہر رُکاوٹ ہر شخص کو پیش نہیں آتی، لہٰذا جسے جو عارضہ لاحق نہ ہو، اسے چاہیے کہ وہ اس میں مبتلا مریض کے عارضے اور اس کے علاج کی تقلید نہ کرے)، جیسا کسی شخص کو کھانسی ہو گئی اور وہ کھانس رہا ہے تو اوروں کو کب درست ہے کہ اس کے ساتھ کھانسنے لگیں''۔

(۱۵ محرم الحرام ۱۳۶۶ھ/ 10 دسمبر 1946ء، بروز: منگل، مقام: لائل پور (فیصل آباد))

(ارشادات حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوریؒ، ص: 246، طبع: رحیمیہ مطبوعات، لاہور)

رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور

0092-42-36307714,36369089-www.rahimia.org

Email: info@rahimia.org

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

www.rahimia.org

تفسیر: شیخ التفسیر مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

شعائراللہ میں سے حج اور عمرہ کا تزکیۂ اَخلاق میں کردار

گزشتہ آیات (2-البقرہ: 151 تا 157) میں ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ کے اُصول پر کسی معاشرے کے افراد کے تہذیبِ اَخلاق کے عملی اُمور؛ ذکر، شکر، صبر، نماز، جان قربان کرنے کا جذبہ اور آزمائشوں میں اللہ کی طرف رجوع کا ذکر کیا گیا تھا۔

اس آیت (2-البقرہ: 158) میں تعظیم شعائراللہ کی اَساس پر حجِ بیت اللہ الحرام، عمرہ اور اُس کے گردونواح کے مقاماتِ مقدسہ؛ صفا و مروہ کی ''سعی'' ایسے اہم عاشقانہ سفر کا ذکر ہے، تا کہ انسانی نفس' اَخلاقِ الٰہیہ اور ارتفاقاتِ اجتماعیہ کا خوگر بن جائے۔

اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآىِٕرِ اللّٰهِۚ (بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی): ملتِ ابراھیمیہ حنیفیہ میں بیت اللہ الحرام کی مرکزیت اور حرمت گزشتہ آیات میں تفصیل سے بیان کی جا چکی ہیں۔ اب بیت اللہ کے قریب واقع شعائر اللہ میں سے دو اہم شعائر؛ صفا و مروہ کے درمیان حضرت ہاجرہؑ کی سنت پورا کرتے ہوئے سعی اور دوڑنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ فرماتے ہیں:

''صفا اور مروہ دو پہاڑیاں ہیں مکہ میں، اہلِ عرب حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے وقت سے ہمیشہ حج کرتے رہے۔ اور حج کرتے تو ان دو پہاڑیوں کا بھی طواف (سعی) کرتے۔ کفر کے زمانے میں ان دو پہاڑیوں پر کفار نے دو بُت (اِساف اور نائلہ) رکھے تھے، (وہ) ان کی تعظیم کرتے تھے اور سمجھتے تھے کہ یہ طواف ان دو بتوں کی تعظیم کے لیے ہے۔

جب لوگ مسلمان ہوئے اور بت پرستی سے تائب ہوئے تو خیال ہوا کہ صفا اور مروہ کا طواف تو اِن بتوں کی تعظیم کے لیے تھا۔ جب بتوں کی تعظیم حرام ہوئی تو صفا اور مروہ کا طواف بھی ممنوع ہونا چاہیے۔ یہ ان کو معلوم نہ تھا کہ صفا اور مروہ کا طواف (سعی) تو اصل میں حج کے لیے تھا۔ کفار نے اپنی جہالت سے بت رکھ چھوڑے تھے، وہ دور ہو گئے۔

اور اَنصارِ مدینہ چوں کہ کفر کے زمانے میں (بھی) صفا اور مروہ کے طواف کو بُرا جانتے تھے تو اسلام کے بعد بھی ان کو اس طواف میں خلجان ہوا اور آپ ﷺ سے عرض کیا کہ: ہم پہلے سے اس کو مذموم جانتے ہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور فریقِ اوّل (مہاجرینِ مکہ) اور ثانی (انصارِ مدینہ) دونوں کو بتلا دیا گیا کہ صفا اور مروہ کے طواف میں کوئی گناہ اور خرابی نہیں۔ یہ تو اصل سے اللہ کی نشانیاں ہیں ان کا طواف کرنا چاہیے''۔

شَعَآىِٕرِ اللّٰه: امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ: ''شعائر'' کا معنی ''علامات'' ہے۔ یہ جمع ہے، اس کا واحد ''شَعِیرَةٌ'' آتا ہے''۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر) شعائر کی حقیقت بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں: ''شعائر'' سے مراد ایسے محسوس ظاہری اُمور اور علامات ہیں کہ جنھیں اس لیے بنایا گیا ہے کہ اُن کے ذریعے سے اللہ کی عبادت کی جائے اور وہ صرف اسی کام کے لیے مخصوص کر دیے گئے، یہاں تک کہ لوگوں کے نزدیک اُن اُمور کی تعظیم کرنا' اللہ کی تعظیم کرنا اور ان اُمور کی تعظیم میں کوتاہی کرنا گویا اللہ کی جناب میں گستاخی کرنا ہے۔ اور یہ بات اللہ کی طرف سے انسانوں کے دلوں میں خوب اچھی طرح بٹھا دی گئی۔ کچھ اس طرح کہ اُن کے دلوں کو ٹکڑے ٹکڑے کیے بغیر نکل نہیں سکتی''۔ (حجۃ اللہ البالغہ)

قرآن حکیم میں دوسری جگہ پر سورت الحج میں ارشاد فرمایا گیا کہ: ''جس نے اللہ کے شعائر کی تعظیم کی، بے شک یہ دلوں کے ادب اور تقویٰ کی بات ہے''۔ (22-الحج: 32) اس آیت کی تشریح میں امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ بڑے شعائر اللہ کی چار اقسام بیان کرتے ہیں:

1۔ قرآن حکیم (کتاب اللہ)، 2۔ کعبہ (بیت اللہ)، 3۔ نبی (رسول اللہ)، 4۔ نماز۔

امامِ انقلاب حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ ملتِ محمدیہ ﷺ کے تحت ان چاروں شعائر کی اہمیت اور ان کے باہمی ربط کو ایک مثال سے سمجھاتے ہوئے بیان فرماتے ہیں:

1۔ جب کوئی فرد (یعنی نبی) اللہ کے حکم سے ''ملإ اعلیٰ'' کی تعلیم دنیا میں قائم کرنے کے لیے اُٹھ کھڑا ہو تو اس شخصیت کو ''رسولُ اللّٰہ'' کہا جاتا ہے۔

2۔ ''ملإ اعلیٰ'' کی الٰہی تعلیمات اس دور میں جس عظیم کتاب میں لکھی ہوئی ہوں تو اُسے ''کتاب اللّٰہ'' اور قرآن حکیم کہا جاتا ہے۔

3۔ وہ مکان اور مقامِ مقدس، جسے ''رسول اللّٰہ'' نے ''کتاب اللّٰہ'' کی تعلیم و تربیت کے لیے اپنی ملت کا مرکز بنایا، ''بیت اللّٰہ'' کہلاتا ہے۔

4۔ پھر اللہ کے یہ تینوں شعائر؛ ''کتاب اللّٰہ'' کی اساس پر ''بیت اللّٰہ'' میں ''رسول اللّٰہ'' کی تعلیم سے جو جامع علمی و عملی شکل اور تربیتی ہیئت پیدا ہوتی ہے، اسے ''الصّلاۃ'' کہا جاتا ہے۔ اس تعلیم سے جو نماز قائم کی جاتی ہے، وہ بھی شعائر اللہ میں سے ہے، اس لیے کہ اس تعلیم کا مقصد یہی ہے''۔ (تفسیر سورت البقرہ)

کعبۃ اللہ کے ذیلی شعائر میں سے ''صفا'' پہاڑ اور ''مروہ'' کا پہاڑ بھی ہیں۔ لہٰذا حجِ بیت اللہ کرنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان ''سعی'' ضرور کریں۔ صفا و مروہ کی تاریخی اہمیت اور بیت اللہ سے اُن کے ربط اور تعلق کو بیان کرتے ہوئے امامِ انقلاب مولانا عبیداللہ سندھیؒ فرماتے ہیں:

''بیت اللّٰہ'' وہی ہے، جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حنیفیت کی تعلیم کے لیے اپنے مرکز کے طور پر قائم کیا۔ یہ شعائر اللہ میں سے ہے۔ ''بیت اللّٰہ'' کے قریب ''صفا'' اور ''مروہ'' دو پہاڑ ہیں۔ ان دونوں مقامات کی (تحریکِ حنیفیت اور) ''بیت اللّٰہ'' کی تاریخ میں ایسی بڑی عظمت ہے، جس کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

الْمَرْوَةَ: ''مروہ'' وہ مقام ہے، جس جگہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو قربان کرنے کا ارادہ کیا تھا۔ مروہ کے بارے میں حضور ﷺ نے عمرہ کے دوران فرمایا تھا کہ: ''هٰذا المَنْحَرُ یعني: المَرْوَةَ'' (یہ قربان گاہ ہے، یعنی: مروہ۔ مکہ کی ہر گلی اور اُس کے راستے قربان گاہ ہیں)''۔ جیسا کہ ''مُوَطّأ امام مالک'' (حدیث: 1166) سے ثابت ہے۔ اس لیے ''مروہ'' بھی شعائر اللہ میں سے ہے۔

www.rahimia.org

الصَّفَا: جہاں تک ''صفا'' کا تعلق ہے، اگرچہ اس کی تاریخ ہم بھول گئے ہیں، البتہ غالب گمان یہ ہے کہ ''صفا'' کی تاریخی عظمت اس حوالے سے ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس پر کھڑے ہوکر لوگوں کو حج کی دعوت دی تھی۔ یعنی: انھوں نے حنفی تحریک کی تعلیم دی تھی۔ تاریخی حوالے سے ہم اپنے نبی محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت کا یہ واقعہ بھی جانتے ہیں کہ: ''جب حضور اقدس ﷺ پر یہ آیت ''آپ اپنے قبیلہ قریش کو ڈرایئے'' (26-الشعراء:214) نازل ہوئی تو آپ ﷺ ''صفا'' پر کھڑے ہوئے۔ اور اپنے قبیلے کو پکارا: ''اے بنی عبدالمطلب! اے بنی عبدِ مناف!'' اس پر ابولہب نے کھڑے ہوکر آپ ﷺ کا انکار کیا''۔ یہ واقعہ – جس میں آپ ﷺ کی دعوت پھر مخالفین کی طرف سے تکذیب کا ذکر ہے – دعوتِ قرآنی کی تحریک میں اپنا ایک اہم مقام رکھتا ہے۔

اسی طرح آپ ﷺ نے اس مقامِ صفا پر کھڑے ہوکر ایک دفعہ اس پہاڑ کی طرف اشارہ کیا، جو صفا کے بالمقابل تھا اور فرمایا کہ: ''اگر مَیں تمھیں یہ بتلاؤں کہ ایک بہت بڑا لشکر اس وادی میں تم پر حملہ آور ہونے کو ہے، کیا تم میری تصدیق کرو گے؟'' تو لوگوں نے کہا تھا: ''ہاں! اس لیے کہ ہمیں آپ کے بارے میں سوائے بھلائی کے اور کوئی تجربہ نہیں'' سوائے ابولہب کے (جس نے تکذیب کی)۔ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا تھا کہ: ''مَیں تمھیں بڑے سخت عذاب کی خبر دیتا ہوں''۔ (صحیح بخاری، کتاب التفسیر:4770)

چناں چہ فتح مکہ کے دن نبی اکرم ﷺ کا لشکر اسی وادی کی طرف سے آیا اور جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ: ''إنّی نذیرٌ لکم بین یَدَی عذابٌ شدید''، تو دراصل آپ ﷺ کی مراد یہی تھی۔ اور جنھوں نے اس دن انکار کیا تھا، وہ مسلمان ہوئے اور آپ ﷺ سے اس حال میں بیعت کی، جب کہ آپ ﷺ صفا پر اُسی جگہ کھڑے تھے۔ اور جب انقلابِ مکہ کا ظہور ہوا تو اسی پہاڑ پر کھڑے ہوکر آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی: ''الحمدُ للّٰہ الّذی أنجزَ وعدَہ، ونَصرَ عبدَہ، وھزم الأحزاب کُلَّہ'' (مسند امام احمد، حدیث:4926) (سب تعریفیں اسی خدا کے لیے ہیں، جس نے اپنا (غلبے کا) وعدہ پورا کر دیا، اپنے بندے کی امداد کی اور تمام باطل جماعتوں کو شکست دی)۔ یہ دعا جو ہم صفا پر کھڑے ہوکر مانگتے ہیں، وہ دراصل اسی واقعے کو یاد کرنا ہوتا ہے۔ اس واقعے کو صفا پہاڑ کے ساتھ خصوصی تعلق ہے۔

اس واقعے کی بنیاد پر ہمارا گمان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے لوگوں کو حج کی طرف اسی مقامِ صفا پر کھڑے ہوکر بلایا تھا۔ اس ابراہیمی دعوت کی تکمیل ہمارے نبی ﷺ کے ہاتھوں سے ہوئی۔ ہم دیکھتے ہیں کہ صفا اور مروہ ان دو پہاڑوں کی آپ ﷺ کی دعوت کو پھیلانے میں بڑی تاثیر ہے۔ ان دونوں مقامات کا تعلق بیت اللہ الحرام کے ساتھ ہے۔ صفا و مروہ کا شعائر اللہ میں سے ہونے کا یہی مطلب ہے''۔ (الہام الرحمٰن، سورت البقرہ)

فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا (سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا، یا عمرہ، تو کچھ گناہ نہیں اس کو، کہ طواف کرے ان دونوں میں): ایک مسلمان کی تعلیم و تربیت کے لیے حج بیت اللہ کی بڑی اہمیت ہے۔ ہر صاحبِ استطاعت پر زندگی میں ایک دفعہ حج کا ادا کرنا فرض ہے۔ اسی طرح بیت اللہ کے فیوضات حاصل کرنے کے لیے عمرے کی ادائیگی بھی انسانی قلوب کے تزکیے میں بڑی اہمیت رکھتی ہے۔ حج کی عظمت بیان کرتے ہوئے امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ لکھتے ہیں کہ: ''حج کی حقیقت یہ ہے کہ صالحین کی ایک عظیم جماعت کا ایک زمانے (یومِ عرفہ) میں اجتماع ہونا، جس میں انعام یافتہ لوگوں؛ انبیّا، صدیقین، شہدا اور صالحین کی حالت کو یاد کیا جائے۔ اور ایسی جگہ اور مکان میں یہ اجتماع ہو کہ جس میں اللہ کی واضح نشانیاں موجود ہیں اور اُس جگہ کی طرف دین کے بڑے ائمہ کی جماعتوں نے اللہ کے شعائر کی تعظیم کرتے ہوئے، اللہ کے سامنے گڑگڑاتے ہوئے، اس سے خیر کی اُمید اور رغبت رکھتے ہوئے اور اُس سے گناہوں کی معافی کے ارادے سے سفر اختیار کیا ہو۔ اس لیے کہ جب انسانوں کی ہمتیں اس کیفیت کے ساتھ کسی جگہ جمع ہوتی ہیں تو وہاں اللہ کی رحمت اور مغفرت کا نزول ضرور ہوتا ہے''۔ (حجۃ اللہ البالغہ، باب اسرار الحج)

حج اور عمرہ کے مناسک میں سے صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا بھی ہے۔ اس آیت کا شانِ نزول بیان کرتے ہوئے حضرت عروہ بن زبیرؒ فرماتے ہیں کہ: ''مَیں نے (اپنی خالہ) نبی کریم ﷺ کی زوجہ مطہرہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا (ان دنوں مَیں نوعمر تھا) کہ: اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد کے بارے میں آپؓ کا کیا خیال ہے: ''صفا اور مروہ بے شک اللہ کی یادگار چیزوں میں سے ہیں۔ پس جو کوئی بیت اللہ کا حج کرے یا عمرہ کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں کہ ان دونوں کے درمیان آمد و رفت (یعنی سعی) کرے''۔ میرا خیال ہے کہ اگر کوئی ان کی سعی نہ کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہونا چاہیے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ''ہرگز ایسا نہیں! اگر تمھارے خیال کے مطابق مسئلہ یہی ہوتا تو پھر واقعی ان کے سعی نہ کرنے میں کوئی گناہ نہ تھا، لیکن یہ آیت (مدینہ کے) اَنصار کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ (اسلام سے پہلے) انصار ''منات'' بت کے نام سے احرام باندھتے تھے۔ یہ بت مقامِ ''قُدَید'' میں رکھا ہوا تھا اور اَنصارُ صفا اور مروہ کی سعی کو اچھا نہیں سمجھتے تھے۔ جب اسلام آیا تو انھوں نے سعی کے متعلق آپ ﷺ سے پوچھا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی''۔ (صحیح بخاری، حدیث:4495)

وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی، تو اللہ قدرداں ہے سب کچھ جاننے والا): اس آیت میں ایک بنیادی اُصول واضح کر دیا گیا کہ جو آدمی بھی خیر اور نیکی کا کوئی بھی کام دل کی خوشی اور مسرت کے ساتھ کرے گا، تو اللہ تعالیٰ اُس کے دل کی حالت کو جاننے والا اور اس کا قدردان ہے۔

اس لیے حج بیت اللہ سے متعلق مناسکِ حج، صفا و مروہ کے درمیان سعی وغیرہ تمام شعائر کی ادائیگی میں دل کی خوشی اور اطمینان کا ہونا ضروری ہے۔ شعائر اللہ کی تعظیم پر مبنی خیر کے کام کرتے وقت نفس، قلب اور عقل میں خوشی اور اعتماد کی کیفیت ہونی چاہیے، تاکہ انسان کے قلب پر حالتِ الٰہیہ طاری ہو جائے اور اُس کا تعلق ملاءِ اعلیٰ اور اُس کی تجلیات سے مضبوط اور مربوط ہو جائے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ اس طاری ہونے والی حالتِ الٰہیہ کی صورت میں ایسے انسان کی بہت قدر کرتا ہے۔ اس کے مراتب اور مقامات بلند کرتا ہے۔

www.rahimia.org

درسِ حدیث

از: مولانا ڈاکٹر محمد ناصر، جھنگ

نااہلوں کا اقتدار، قیامت کی نشانی

عَنْ أَبِی هُرَيْرَةَ - رضی اللّٰه عنه - قَالَ: بَيْنَمَا النَّبِیُّ ﷺ يُحَدِّثُ القَوْمَ، جَاءَ أَعْرَابِیٌّ فَقَالَ: مَتَى السَّاعَةُ؟ فَمَضَى رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ يُحَدِّثُ، فَقَالَ بَعْضُ الْقَوْمَ: سَمِعَ مَا قَالَ فَكَرِهَ مَا قَالَ. وَقَالَ بَعْضُهُمْ: بَلْ لَمْ يَسْمَعْ، حَتّٰى إِذَا قَضٰى حَدِيْثَهُ قَالَ ﷺ: أَيْنَ أُرَاهُ السَّائِلُ عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: هَا أَنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰه ﷺ، قَالَ ﷺ: "فَإِذَا ضُيِّعَتِ الأَمَانَةُ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ"، قَالَ: كَيْفَ إِضَاعَتُهَا؟ قَالَ ﷺ: إِذَا وُسِّدَ الأَمْرُ إِلٰى غَيْرِ أَهْلِهِ فَانْتَظِرِ السَّاعَةَ. (الصّحيح البخاری، حديث: 59)

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی مجلس میں لوگوں سے گفتگو فرما رہے تھے کہ ایک اَعرابی نے بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی: قیامت کب آئے گی؟ رسول اللہ ﷺ بدستور گفتگو فرماتے رہے تو کچھ لوگ کہنے لگے کہ: حضور ﷺ نے اس کی بات ناپسند فرمائی ہے، جب کہ کچھ نے کہا کہ آپ ﷺ نے اس کی بات سنی نہیں ہے۔ جب حضور ﷺ گفتگو فرما چکے تو فرمایا: ''قیامت کے بارے میں پوچھنے والا کہاں ہے؟'' تو سائل نے عرض کیا: اے رسولِ خدا ﷺ! میں حاضر ہوں، فرمایا: ''جب امانت ضائع کی جانے لگے تو قیامت کا انتظار کرنا''، عرض کی کہ: امانت کا ضائع کرنا کیسے ہوگا؟ فرمایا: ''جب ذمہ داری نااہلوں کے سپرد کر دی جائے''۔

امانت ضائع کرنے کا معنی ہے کہ کسی کی کوئی چیز، جان، عزت و آبرو، مال، حق، کوئی راز یا کوئی بھی ایسی چیز جو اس کے دیگر حقوق سے تعلق رکھتی ہو۔ وہ کسی کے پاس محفوظ ہو، یا کسی انسان پر کوئی قومی ذمہ داری ہو، تو اگر وہ لوگوں کے حقوق پورے نہ کرے، اپنے عہدے کا غلط فائدہ اُٹھائے، مال بٹورنے کے لیے لوگوں کو تنگ کرے تو یہ امانت کو ضائع کرنا ہے اور اس کام پر قیامت برپا کرنے کے مترادف ہے۔ زیرِ غور حدیث میں کوئی اجتماعی ذمہ داری کسی نااہل کے سپرد کرنے کا یہی مطلب ہے۔

روزِ محشر مکمل حساب ہوگا، جب کہ اس حدیث کی روشنی میں قیامت سے مراد کسی کام کو نااہل کے سپرد کر دینا ہے کہ اس سے وہ مقصد ضائع ہو جائے گا۔ نااہل ہونے سے مراد ہے کہ انسان کے سپرد کیے گئے کام کو سرانجام دینے کی صلاحیت ہی اس میں نہ ہو، یا فنی تربیت کی کمی کی وجہ سے اس کام کو نمٹانے کی مہارت نہ رکھتا ہو۔ یا اس کی اَخلاقی تربیت نہ ہو، تو ایسے شخص کو جب ذمہ داری دی جائے تو وہ ہدف کو برباد کر دیتا ہے۔ گویا اس کام میں خرابی کی صورت میں قیامت برپا ہو جاتی ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں ان لوگوں کو منصب دینا چاہیے جو سپرد کیا گیا کام کرنے کی صلاحیت رکھتے ہوں، مہارت اور اخلاقی معیار بلند ہونے کی بنا پر اس کام کو کرنے کا جذبہ رکھتے ہوں۔ نااہل لوگ اپنی نااہلی سے قوموں کے لیے مصیبت بن جاتے ہیں اور نظام کی خرابی انسانوں کے لیے ایک قیامت کی شکل میں ظاہر ہوتی ہے۔

صحابہؓ کا ایمان افروز کردار

مولانا قاضی محمد یوسف، حسن ابدال

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا

حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا کا لقب ''امیمہ''، کنیت ''ام جمیل'' تھی۔ آپؓ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی حقیقی بہن تھیں، دونوں میں بے حد محبت تھی۔ آپؓ کو بعثتِ نبوی ﷺ کے بالکل ابتدائی زمانے میں قبولِ اسلام کا شرف حاصل ہوا۔ آپؓ کا شمار اُن لوگوں میں ہوتا ہے، جن پر آپ ﷺ اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو بے حد اعتماد تھا۔ آپؓ السابقون الاوّلون (پہلے ایمان میں سبقت لے جانے والے لوگوں) میں–خواتین میں–ستائیسویں نمبر پر اسلام میں داخل ہوئیں۔

حضرت فاطمہؓ عالمہ فاضلہ تھیں۔ آپؓ کا شمار نہایت جلیل القدر صحابیات میں ہوتا ہے۔ آپؓ کے احوال، سیرت کی کتابوں میں کم ملتے ہیں۔ حسب و نسب میں آپؓ خاندانِ بنوعدی سے ہیں۔ آپؓ کی والدہ کا نام حنتمہ بنت ہشام تھا۔ آپؓ کی شادی آپؓ کے چچازاد بھائی حضرت سعید بن زیدؓ–جو کہ ''عشرہ مبشرہ'' میں سے ہیں–کے ساتھ ہوئی اور دونوں اکٹھے حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ کی قوتِ ارادی کا عالَم یہ تھا کہ کوئی مشکل اور پریشانی آپؓ کے ارادے کو بدل نہ سکتی۔ جب عورتوں کی قوتِ ارادی کا یہ عالَم ہے تو جوانوں کے قوت ارادی کا کیا حال ہوگا! دنیا کی کوئی قوت ان کے ارادوں کو تبدیل نہیں کر سکی، نہ وہ کسی سے مرعوب ہوتی تھیں۔

حضرت فاطمہؓ نے دینِ اسلام کی تعلیمات کو براہِ راست زبانِ نبوتؐ سے بھی سیکھا اور اپنے گھر کو بھی قرآن حکیم کے علوم کا مرکز بنایا۔ آپؓ کے گھر میں قرآن حکیم کے درس کا پہلا حلقہ قائم ہوا اور حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ دونوں خاوند بیوی کو قرآن حکیم سکھلاتے۔ اس طرح آپؓ نے دین اسلام کی نظریاتی اور فکری اور تعلیمی نسبتوں کو سمیٹا اور اس کے علم و عمل کو قائم رکھنے کے جذبے سے سرشار رہیں اور اپنی سماجی زندگی کو بھرپور بنایا۔

حضرت فاطمہؓ انتہائی سلیم الفطرت لوگوں میں سے تھیں۔ آپؓ دینِ اسلام کے علم اور شعور سے آراستہ، ہمت اور جرأت کا پیکر تھیں۔ اپنی ذات، اپنے خاندان اور دینِ اسلام کی تعلیمات کو اوّل دن سے حرزِ جان بنایا اور آخر دم تک اس پر قائم رہیں۔ آپؓ کے استقلال و استقامت اور اخلاصِ دین کا نتیجہ نکلا کہ آپؓ کے بھائی حضرت عمرؓ حلقہ بگوشِ اسلام ہوئے۔

حضرت عمرؓ کے قبولِ اسلام کے واقعے کو اصحابِ سیر نے بڑی تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے، جس میں آپؓ کی بہن حضرت فاطمہؓ کا بھرپور دینی، سماجی و اجتماعی، علمی بصیرت اور صبر آزما کردار واضح سبب بنا اور حضرت عمرؓ ایسی جہاں ساز شخصیت اپنی صلاحیتوں کو دین اور انسانی ترقی کے لیے وقف کر دیتے ہیں، جس کا اظہار حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس طرح فرمایا ہے کہ: ''عمرؓ کا مسلمان ہونا اسلام کی فتح تھی، اور ان کی ہجرت اللہ کی نصرت تھی، اور ان کی امارت و خلافت رحمت تھی''۔ (البدایہ والنہایہ) (بقیہ: صفحہ 11)

www.rahimia.org

بدلتا عالمی منظرنامہ اور مزاحمت کا اُبھرتا ہوا انقلاب

مشرقِ وسطیٰ کی سرزمین آج ایک بار پھر تاریخ کے ایک فیصلہ کن موڑ پر کھڑی ہے، جہاں حق اور باطل کا معرکہ صرف میدانِ جنگ تک محدود نہیں رہا، بلکہ یہ ایک ہمہ گیر نظریاتی، سیاسی اور تہذیبی جنگ کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ اس معرکے میں ایرانی عوام اور اُن کی قیادت نے جس جرأت، عزم، حکمت اور غیر معمولی قومی وحدت کے ساتھ امریکا اور اسرائیل کی سامراجی یلغار کا مقابلہ کیا، وہ محض ایک فوجی ردِعمل نہیں، بلکہ ایک زندہ، بیدار اور نظریاتی قوم کی للکار ہے۔

یہ جنگ دراصل طاقت اور حق کے درمیان وہ ازلی کشمکش ہے، جس میں ہمیشہ یہ طے ہوتا ہے کہ کون سا نظام انسانیت کے لیے نجات کا پیغام رکھتا ہے اور کون سا استحصال اور غلامی کا۔ ایک طرف وہ قوتیں ہیں، جو اپنے سطحی مفادات کے تحفظ کے لیے پوری دنیا کو اپنے زیرِاثر رکھنا چاہتی ہیں اور دوسری طرف وہ اقوام ہیں جو اپنی آزادی، خودمختاری اور نظریاتی وقار کے لیے سینہ سپر ہیں۔ ایران نے اس کشمکش میں جس استقامت کا مظاہرہ کیا، اس نے دنیا کو یہ پیغام دیا کہ مزاحمت محض ایک نعرہ نہیں، بلکہ ایک زندہ حقیقت ہے۔

ایران کی کامیابی کا راز اس کے ہتھیاروں میں نہیں، بلکہ اس کے نظریے، اس کی قیادت اور اس کی عوام کے اندر موجود اس جذبۂ ایمانی میں پوشیدہ ہے جو کسی بھی قوم کو ناقابلِ تسخیر بنا دیتا ہے۔ جب ایک قوم اپنے نظریے پر متحد ہو جائے، جب اس کی قیادت، فکری پختگی اور عملی حکمت سے مزین ہو اور جب اس کے افراد اپنی ذاتی مفادات سے بلند ہو کر اپنے قومی اور ملّی مقصد کے لیے کھڑے ہو جائیں تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے شکست نہیں دے سکتی۔

اس معرکے نے خلیج میں امریکا کے ان فوجی اڈوں کی حقیقت کو بھی آشکار کر دیا ہے، جو بہ ظاہر دفاع کے نام پر قائم کیے گئے تھے، مگر درحقیقت وہ سامراجی تسلط کے مراکز ہیں۔ یہ اڈے نہ صرف خطے کے امن کے لیے خطرہ ہیں، بلکہ وہ ان قوتوں کی علامت بھی ہیں، جو قوموں کی خودمختاری کو پامال کر کے اپنے مفادات کو فوقیت دیتی ہیں۔ مزید یہ کہ اس جنگ نے ان تمام چہروں سے نقاب ہٹا دیا ہے جو بہ ظاہر غیر جانب داری کا لبادہ اوڑھے ہوئے تھے، مگر حقیقت میں سامراجی قوتوں کے سہولت کار بنے ہوئے تھے۔

اسرائیل کا کردار بھی اس پورے منظرنامے میں ایک واضح مثال کے طور پر سامنے آیا ہے۔ ایک ایسی ریاست جو بہ ظاہر خودمختار ہونے کا دعویٰ کرتی ہے، مگر اس کے بڑے فیصلے امریکا کی مرضی اور حکمتِ عملی کے تابع ہوتے ہیں۔ اس حقیقت نے دنیا پر یہ واضح کر دیا ہے کہ اصل طاقت کے مراکز کہاں ہیں اور کون صرف ایک مہرے کے طور پر استعمال ہو رہا ہے اور اُس کے نظام کا حدودِ اربعہ کیا ہے۔

یہ تمام حالات ایک نئے عالمی شعور کو جنم دے رہے ہیں۔ یہ شعور اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دنیا کو ایک ایسے نظام کی طرف بڑھنا ہوگا، جو انصاف، برابری اور حقیقی خودمختاری پر مبنی ہو۔ موجودہ عالمی نظام اپنی ساکھ کھو چکا ہے، کیوں کہ اس میں انصاف طاقت کے تابع ہے، اور بین الاقوامی قانون' کمزور کے لیے ہے، طاقت ور کے لیے نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ایک نئے عالمی نظام کی صدا ہر بیدار ضمیر سے بلند ہو رہی ہے۔

اسی تناظر میں یہ حقیقت اب کسی دلیل کی محتاج نہیں رہی کہ سامراجی طاقتوں کی جارحیت عالمی امن کے لیے سب سے بڑا خطرہ ہے۔ خطے میں قائم غیر ملکی فوجی اڈے دراصل غلامی کی زنجیروں کی جدید شکل ہیں، جن کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ نظریاتی بنیادوں پر قائم قومی وحدت ہی وہ طاقت ہے، جو اقوام کو سرخرو کرتی ہے، اور یہی وہ قوت ہے جو ایران کے اندر پوری شدت کے ساتھ نظر آتی ہے۔ مزید یہ کہ دنیا کو ایک ایسے منصفانہ اور متوازن نظام کی ضرورت ہے، جہاں ہر قوم کو اس کا حق ملے اور جہاں مزاحمت کرنے والی اقوام کو تنہا نہ چھوڑا جائے، بلکہ ان کی حمایت کو ایک اَخلاقی فریضہ سمجھا جائے۔

ایران کا انقلابی ماڈل اس بات کی عملی تصویر ہے کہ ایک انقلاب کیسے جنم لیتا ہے، کیسے پروان چڑھتا ہے اور کیسے اپنے اندر ایسی قیادت پیدا کرتا ہے جو نہ صرف اپنے ملک کو سنبھالتی ہے، بلکہ عالمی سطح پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ یہ ماڈل اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ جب قومیں اپنے اندر فکری یکسوئی، تنظیمی قوت اور مسلسل تربیت کا عمل جاری رکھتی ہیں تو وہ تاریخ کا دھارا موڑنے کی صلاحیت حاصل کر لیتی ہیں۔

حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوریؒ نے 1990ء میں واہ کینٹ میں مسعود غوری صاحب کی رہائش گاہ پر خطاب کرتے ہوئے یہ بات ارشاد فرمائی تھی کہ: ''تم دشمن کے مقابلے کے لیے جتنا چاہو اسلحہ جمع کر لو، وہ تم سے زیادہ جمع کر لے گا۔ اس لیے یہ کافی نہیں ہوگا۔ تم جتنی چاہو دولت اکٹھی کر لو، وہ بھی تم سے زیادہ حاصل کر لے گا۔ اس لیے یہ بھی کافی نہیں ہوگی۔ لیکن اگر تم ایک اعلیٰ نظریے پر منظم اور باشعور جماعت تیار کر لو تو اس کا توڑ اس کے پاس نہیں ہوگا اور تم کامیاب ہو جاؤ گے ان شاء اللہ''۔

آج ایران کی مزاحمت نے اس کی عملی تصویر پیش کر دی ہے۔

آج ضرورت اس امر کی ہے کہ دیگر اقوام بھی اس حقیقت کو سمجھیں کہ آزادی محض ایک لفظ نہیں، بلکہ ایک مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ یہ جدوجہد قربانی مانگتی ہے، شعور مانگتی ہے اور سب سے بڑھ کر اتحاد مانگتی ہے۔ جو قومیں اس راستے کو اختیار کرتی ہیں، وہی تاریخ میں زندہ رہتی ہیں اور جو اس سے روگردانی کرتی ہیں، وہ دوسروں کے تابع ہو جاتی ہیں۔

آخر میں یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ یہ جنگ محض ایک خطے کی جنگ نہیں، بلکہ یہ ایک عالمی بیداری کی ابتدا ہے۔ یہ ایک ایسا لمحہ ہے جو قوموں کو جھنجھوڑ رہا ہے، انھیں اپنے اندر جھانکنے پر مجبور کر رہا ہے اور انھیں یہ باور کرا رہا ہے کہ اگر وہ واقعی آزاد اور باوقار زندگی گزارنا چاہتی ہیں تو انھیں اپنے اندر انقلاب برپا کرنا ہوگا؛ فکر کا انقلاب، کردار کا انقلاب اور قیادت کا انقلاب۔ کیوں کہ تاریخ ہمیشہ اُنھیں قوموں کے نام لکھی جاتی ہے، جو حالات کے دھارے کے ساتھ نہیں بہتیں، بلکہ اس کا رُخ موڑنے کا حوصلہ رکھتی ہیں۔ (مدیر)

www.rahimia.org

''قلب'' سے متعلق ''احوال'' (2)

مترجم: مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری

(امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے ''حُجّۃُ اللّٰہِ البالِغہ'' میں ''قلب'' سے متعلق ''احوال'' میں قلب سے پھوٹنے والے داعیے کے غلبے کی پہلی قسم بیان کی تھی، اب دوسری قسم کا بیان ہے۔)

(2۔مؤمن کے قلب سے پھوٹنے والے داعیے کا غلبہ)

''دوسری قسم غلبے کی وہ ہے، جو پہلی قسم سے زیادہ عظمتِ شان اور زیادہ تکمیل والی ہے۔اور وہ ''داعیۂ الٰہیہ'' کا قلب پر غلبہ ہے۔وہ کچھ اس طرح قلب پر نازل ہوتا ہے کہ انسان اُس کے تقاضے کو پورا کرنے سے کسی طور پر بھی نہیں رُک سکتا۔

اس غلبے کی حقیقت یہ ہے کہ: بعض بالائی مقدس سرچشموں (ملاءِ اعلیٰ اور حظیرۃ القدس وغیرہ) سے علمِ الٰہی کا فیضان انسان کی قوتِ عقلیہ کی بجائے قوتِ عملیہ پر ہوتا ہے۔اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ انسانی نفس، جو انبیا علیہم السلام کے نفوس سے مشابہت رکھتے ہیں۔جب اُن میں علمِ الٰہی کے فیضان حاصل کرنے کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے:

الف: ایسی صورت میں اگر انسان کی قوتِ عقلیہ' قوتِ عملیہ پر سبقت لے جائے تو یہ فیضان شدہ علمِ الٰہی ''فراست'' اور ''اِلہام'' ہے۔

ب: اگر انسان کی قوتِ عملیہ' قوتِ عقلیہ پر سبقت لے جائے تو یہ فیضان شدہ علمِ الٰہی (کوئی کام کرنے کے لیے) ''عزم'' اور ''اِقبال'' (پوری قلبی توجہ)، یا ''نفرت'' اور ''ہچکچاھٹ'' ہے۔

اس کی مثال وہ حدیث ہے، جو غزوۂ بدر کے قصہ میں روایت کی گئی ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے اللہ کے سامنے دعا کرنے میں بہت الحاح وزاری سے کام لیا، یہاں تک کہ یہ جملہ بھی فرمایا کہ: ''اے اللہ! مَیں تجھ سے تیرے عہد اور وعدے کا سوال کرتا ہوں۔اے اللہ! اگر تُو چاہتا ہے کہ آج کے بعد تیری کبھی عبادت نہ کی جائے''۔اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ لیا اور فرمایا کہ: ''بس! کافی ہے''۔پھر رسول اللہ ﷺ یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکلے: ''جماعتوں کو شکست دی جائے گی اور وہ پشت پھیر کر بھاگیں گے'' (القمر:43)۔(صحیح بخاری، حدیث:2915)

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ کے قلب میں داعیۂ الٰہیہ کا اِلقا کیا گیا، جو رسول اللہ ﷺ کو زیادہ دُعا مانگنے سے روک رہا تھا اور آپؐ کو ترغیب دے رہا تھا کہ آپؐ دُعا و اِلحاح سے رُک جائیں۔نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ کی اس حالت کو اپنی ''فراست'' سے سمجھ لیا کہ اُن کے قلب میں داعیۂ حق آیا ہے۔پس آپ ﷺ اللہ کی نصرت کو ظاہر کرتے ہوئے یہ آیت پڑھتے ہوئے باہر نکلے۔

اس کی دوسری مثال وہ ہے، جو (رئیس المنافقین) عبداللہ بن اُبیؓ کی موت کے قصے میں روایت کیا گیا ہے کہ جب نبی اکرم ﷺ نے ارادہ فرمایا کہ اُس کی نمازِ جنازہ پڑھائیں تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ''مَیں اپنی جگہ سے ہٹ کر رسول اللہ ﷺ کے سینے کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔اور مَیں نے کہا: ''یارسول اللہ! آپ کیا اس کی نماز پڑھائیں گے؟ حال آں کہ اس نے تو فلاں دن یہ کہا تھا، فلاں دن یہ کہا تھا''۔حضرت عمرؓ اُس کے گزشتہ ایام گنوانے لگے، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: ''پیچھے ہٹ اے عمر! مجھے اس کا جنازہ پڑھنے نہ پڑھنے کا اختیار دیا گیا ہے اور مَیں نے جنازہ پڑھنے کا اختیار استعمال کیا ہے''۔

آپ ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔پھر یہ آیت نازل ہوئی: ''ان منافقین میں سے جو بھی مرے، تو اُس کی کبھی آپ نماز نہیں پڑھائیں گے''۔(9- التوبہ: 84) حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ: ''مجھے خود پر اور اپنی اس جرأت پر بڑا تعجب ہوا کہ جو مَیں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے آ کر کھڑے ہونے کی کی، حال آں کہ رسول اللہ ﷺ مجھ سے زیادہ علم رکھتے تھے''۔(صحیح بخاری، حدیث:4671)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے غلبے کے دونوں قسموں کے درمیان زیادہ فصیح الفاظ میں فرق بیان کر دیا کہ غلبے کی پہلی قسم (جو صلح حدیبیہ کے موقع پر آپؐ سے سوالات کرنے کی صورت میں ظاہر ہوئی، اس) کے بارے میں انھوں نے یہ فرمایا کہ: ''فما زِلتُ أصومُ وأتصدّقُ وأعتِقُ إلخ'' (اس حرکت پر مَیں ہمیشہ روزے رکھتا رہا اور صدقہ خیرات کرتا رہا اور غلام آزاد کرتا رہا)۔اور دوسری قسم کے غلبے (جو مذکورہ واقعے میں ظاہر ہوا، اس) پر فرمایا کہ: ''فعَجِبتُ لِيْ وجُرْأتِيْ'' (مجھے اپنے پر اور اپنی اس جرأت پر بڑا تعجب ہوا)۔ان دونوں کلموں کے الفاظ پر غور کرنے سے ان کے درمیان فرق واضح ہو جائے گا۔

(قلب پر اللہ کی اطاعت کا غلبہ)

غلبے کی دوسری قسم میں سے ایک یہ بھی ہے کہ غیر اللہ کو چھوڑ کر اللہ کی اطاعت کو ترجیح دینا اور اُس کے راستے میں آنے والی رُکاوٹوں کو رد کر دینا۔اور جو چیزیں اللہ کی اطاعت سے روکنے والی ہیں، اُن سے نفرت کرنا۔جیسا کہ حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ نے کیا تھا کہ وہ اپنے باغ میں نماز پڑھ رہے تھے تو ایک چھوٹا کبوتر اُڑتا ہوا آیا، گھنی ٹہنیوں اور پتوں کی کثرت کی وجہ سے اُس کو باہر نکلنے کا راستہ نہیں مل رہا تھا اور پھڑ پھڑانے لگا۔یہ بات انھیں بڑی اچھی لگی اور اس کے بعد انھیں یہ پتہ نہیں چلا کہ کتنی رکعتیں پڑھیں۔اس پر انھوں نے پورا باغ اللہ کے راستے میں صدقہ کر دیا۔(مُوَطّأ مالک، کتاب الصّلاۃ، حدیث:261)

(قلب پر اللہ کے ڈر اور خوف کا غلبہ)

اس دوسری قسم میں اللہ کے ڈر اور خوف کا قلب پر غلبہ ہونا ہے، یہاں تک کہ انسان رونے لگے اور اُس کا جسم لرزنے لگ جائے۔نبی اکرم ﷺ کے بارے میں آتا ہے کہ جب آپ ﷺ رات کو نماز پڑھتے تو آپؐ کا سینہ ایسے اُبلتا تھا، جیسے ہنڈیا اُبل رہی ہو۔(مسند احمد، حدیث:16312) (بقیہ: صفحہ 12 پر)

www.rahimia.org

مفتی محمد اشرف عاطف، لاہور

سلطان محمد فاتح کی دیگر فتوحات

قسطنطنیہ کی فتح' سلطان محمد فاتح کا بہت بڑا کارنامہ تھا، لیکن سلطان کی فتوحات کا یہ پہلا مرحلہ تھا۔ ان کی حکومت کا دورانیہ تقریباً تیس سال پر محیط ہے اور پورا عہدِ حکومت فتوحات پر مشتمل ہے۔ تیس سال کی طویل مدت میدانِ جنگ میں گزری۔ بہت سے یورپی اور ایشیائی علاقے سلطنتِ عثمانیہ میں شامل ہوئے۔ یہ وہ مفتوحہ ممالک تھے، جنھوں نے عثمانی سلطنت کے آغاز سے ہی سلطنت کو مٹانے کی کوشش کی۔

۷۹۲ھ/1389ء کے آخر میں آسٹریا، بلغاریہ، بوسنیا اور ہنگری کے عیسائی حکمران متحد ہو کر ایک بہت بڑی فوج کے ساتھ عثمانی سلطنت پر حملہ آور ہوئے جس کا سلطان مراد خان نے بڑی ہمت سے مقابلہ کیا اور کوسووا کے مقام پر عیسائیوں کی اس بہت بڑی فوج کو شکستِ فاش دی، جس سے پورا یورپ لرز اُٹھا۔ لیکن چند سالوں بعد ۷۹۹ھ/ 1396ء میں اب تمام یورپی ممالک' فرانس اور جرمنی کی افواج سمیت سلطنتِ عثمانیہ کو نیست و نابود کرنے کے لیے میدان میں آ گئیں۔ اب مراد خان کے بیٹے سلطان بایزید یلدرم نے نکوپولس کے مقام پر یورپی متحدہ محاذ کو ہزیمت سے دوچار کیا۔ اس لڑائی میں بہت سے عیسائی سردار' قیدیوں کی صورت میں بایزید یلدرم کے سامنے لائے گئے، جو بادشاہ یا شہزادے تھے۔ اس شکست نے عیسائی دنیا میں ایک خوف و ہراس پیدا کر دیا، لیکن نچلے بیٹھنے والے یہ بھی نہ تھے اور اپنے ممالک میں جا کر صلیبی جنگ کی تیاری شروع کر دی۔ اب مقابلے کے لیے مذہبی ٹچ استعمال کیا۔ مذہبی جوش و خروش سے سلطنتِ عثمانیہ کے خاتمے کے لیے اور بایزید یلدرم کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آ گئے۔ اس مرتبہ بھی سلطان بایزید نے انھیں شکستِ فاش دی۔

ان معرکہ آرائیوں میں قسطنطنیہ کے قیصر کا کردار بھی پوشیدہ نہ تھا۔ اس نے ان عیسائی حملہ آوروں کی ہر طرح سے مدد کی۔ اس لیے ضروری ہوا کہ قسطنطنیہ جو اس وقت مسلمانوں کے خلاف ان صلیبیوں کا امدادی کیمپ تھا، اس کا قلع قمع کیا جائے۔ چناں چہ بایزید یلدرم نے یہ ارادہ کر لیا کہ قیصر کو اس غداری و تخریب کاری کی سزا ملنی چاہیے، جو وہ سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف کر رہا ہے۔ یلدرم یہ منصوبہ بندی کر رہا تھا کہ تیمور بہت بڑی فوج کے ساتھ حملہ آور ہو گیا جس پر جنگِ انگورہ ہوئی۔ اس محاذ پر بایزید یلدرم کو شکست سے دوچار ہونا پڑا، لیکن باپ کے اس ارادے کی تکمیل اس کے ہونہار بیٹے سلطان محمد فاتح نے کی اور نہ صرف قسطنطنیہ کو فتح کیا، بلکہ ان تمام ممالک کو بھی سلطنتِ عثمانیہ کا باج گزار بنایا، جو آئے دن عثمانی سلطنت پر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس سے نہ صرف جزیرہ نما بلقان پر عیسائی حکومت کا خاتمہ ہوا بلکہ بہت سے دیگر ممالک اور علاقے بھی ان فتوحات کے نتیجے میں سلطنتِ عثمانیہ کا حصہ بنے۔

دیگر فتوحات: قسطنطنیہ کی فتح کے بعد سلطان محمد فاتح 1454ء میں یونان کی طرف متوجہ ہوا۔ وہاں قسطنطنیہ کے قیصر کے دو بھائی علاحدہ علاحدہ حصوں پر عثمانی سلطنت کے باج گزار کے طور پر حکمران تھے۔ ان کو اس بات کا اندازہ ہو گیا کہ سلطان یونان کی طرف رُخ کرنے والا ہے تو انھوں نے پیش بندی کے طور پر سلطان کی خدمت میں سفیر بھیج کر فرماں برداری کا عہد کیا اور بارہ ہزار ذوکات (3.5 گرام سونے کا سکہ) سالانہ خراج دینا منظور کیا۔

سرویا/سربیا کی فتح: سربیا پر ہنگری کا قبضہ تھا، لیکن سربیا کے لوگ ہنگری کے اقتدار کو ناپسند کرتے تھے۔ رومی کلیسا کی مذہبی زیادتیوں کی وجہ سے اہلِ سربیا اس قدر برگشتہ تھے کہ وہ علانیہ ترک مسلمانوں کو کیتھولک عیسائیوں پر ترجیح دیتے تھے اور عثمانی اقتدار کو ہنگری کے تسلط سے بدرجہا بہتر سمجھتے تھے۔ چناں چہ تیس ہزار ذوکات (3.5 گرام سونے کا سکہ) سالانہ خراج دینے کے وعدہ پر سلطان محمد فاتح سے صلح کر لی، لیکن دو سال بعد 1459ء میں باقاعدہ طور پر سربیا کو عثمانی سلطنت میں شامل کر لیا گیا۔

فتح بوسنیا: بوسنیا کے لوگ برسوں سے یونانی اور لاطینی کلیساؤں کی زیادتیوں سے تنگ آ چکے تھے اور اسلام کے دامنِ عافیت میں پناہ لینے کے لیے آمادہ تھے۔ سلطان محمد فاتح کے ایک کمانڈر محمود پاشا کے زیرِ کمان سلطان کے حکم پر بوسنیا میں فوج داخل ہوئی تو بہت سے قلعوں نے عثمانی فوج کا خیر مقدم کیا۔ بوسنیا کے بادشاہ میں جب مقابلے کی طاقت نہ رہی تو اس نے جان بخشی کے وعدہ پر ہتھیار ڈال دیے۔ اس طرح بوسنیا بھی 1462ء میں عثمانی سلطنت کا ایک صوبہ بن گیا اور وہاں کے اکثر امرا و شرفا مشرف بہ اسلام ہو گئے۔

کریمیا کی فتح: ان فتوحات کے علاوہ سلطان کا اہم کارنامہ کریمیا کی فتح تھی، جس کا سہرا سلطان محمد فاتح کے ساتھ ساتھ سلطنتِ عثمانیہ کے مشہور سپہ سالار احمد کدک پاشا کے سر ہے۔ کریمیا کی فتح کا اصل سبب کریمیا کا جغرافیائی اعتبار سے محلِ وقوع ہے اور یہ سلطان محمد فاتح جیسے بیدار مغز حکمران کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا کہ عثمانی سلطنت کو صلیبیوں کی چیرہ دستیوں سے بچانے کے لیے کریمیا کو عثمانی سلطنت میں شامل کرنا کتنا ضروری ہے۔ چناں چہ کمانڈر احمد کدک نے چالیس ہزار فوج کے ساتھ پہلے کیف پر حملہ کیا۔ چار روز میں مدِمقابل فوج نے ہتھیار ڈال دیے اور اس طرح کریمیا بھی فتح ہو گیا۔ اس کے بعد تین سو برس تک کریمیا پر عثمانی سلطنت کا کنٹرول رہا۔

سلطان کی جنگی حکمتِ عملی: چند فوجی مہمات کے علاوہ ہر جنگ میں سلطان محمد فاتح نے فوج کی خود کمان کی۔ فاتح کا لقب تو اسے قسطنطنیہ کی فتح پر حاصل ہو گیا تھا، لیکن اس کی ہر معرکہ آرائی اس لقب کی تصدیق کرتی ہے۔ وہ اپنے فوجی ارادوں کو بالکل راز میں رکھتا تھا۔ اس کے کسی کمانڈر کو بھی پہلے سے علم نہ ہوتا تھا کہ حملہ کس سمت سے ہوگا، وہ جنگ کی کامیابی کے لیے رازداری اور سرعتِ عمل کو ضروری سمجھتا تھا۔ وہ جب بھی کسی مہم کا ارادہ کر لیتا تو اسے پوری تیاری اور شدت کے ساتھ انجام دیتا۔

www.rahimia.org

خطبات و بیانات

رپورٹ: سیّد نفیس مبارک ہمدانی، لاہور

عیدالاضحیٰ: ابراہیمی سنت اور اجتماعی شعور کا مظہر

۱۰ ذوالحجہ ۱۴۴۶ھ / 7 جون 2025ء کو حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ نے ادارہ رحیمیہ لاہور میں خطبہ عیدالاضحیٰ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''معزز دوستو! دینِ اسلام کی تعلیمات میں جو شعائر مقرر کیے گئے ہیں، ان میں عید الاضحیٰ کا یہ مبارک دن ایک اہم ترین شعائر ہے۔ اس دن دنیا بھر کے مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسبت سے منائیں اور اپنی سرگرمیوں کو خدا پرستی اور انسان دوستی کے اساس پر آگے بڑھائیں۔ دنیا میں ہر قوم جب اپنا اجتماعی نظام تشکیل دیتی ہے تو وہ اپنے بنیادی نظریات اور فکر کو نئی نسلوں میں منتقل کرنے کے لیے سال میں کچھ دن مقرر کرتی ہے، جن میں لوگ جمع ہو کر اپنے نظریے کو زندہ رکھتے ہیں۔ اسی تناظر میں جدید دنیا میں ''یومِ آزادی'' اور ''یومِ جمہوریہ'' جیسے دن منائے جاتے ہیں، جہاں قومیں اپنی آزادی اور اپنے نظام کی یاد تازہ کرتی ہیں۔

یہ ایک فطری اجتماعی نظام ہے کہ ہر بچہ، عورت اور مرد اس اجتماعیت میں شریک ہو کر اپنے بنیادی نظریے سے واقف ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مطابق ''یومُ الزّینہ'' (زیب و زینت کا دن) منانا فطرتِ انسانی ہے، جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے زمانے میں بھی ایک دن مقرر کیا گیا جب سب لوگ جمع ہوں اور مکالمہ ہو۔ نبی اکرم ﷺ نے بھی فرمایا: ''ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے جاہلیت کی ہر بات کو ختم نہیں کیا بلکہ اس کا تجزیہ کیا؛ کھیل تماشے کے لیے دن مقرر کرنے کو برقرار رکھا، مگر اسے سورج پرستی اور علم نجوم سے جوڑنے کو غلط قرار دیا اور اس کے بجائے ''عیدالفطر'' اور ''عیدالاضحیٰ'' عطا فرمائیں۔

عیدالفطر کو اللہ کے لیے روزوں کی تکمیل اور روحانی خوشی کے ساتھ جوڑا گیا، اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سنت کو زندہ کرنے کے لیے قربانی کو عیدالاضحیٰ کے ساتھ شامل کیا گیا۔ عربوں کے ہاں اجتماعیت میں جانور ذبح کر کے لوگوں کو کھلانے کا رواج تھا، جسے ابراہیمی سنت کے ساتھ جوڑ دیا گیا۔ شریعت کے مقاصد کے تحت عیدالاضحیٰ کو اس سنتِ ابراہیمی؛ اللہ کے لیے جانور کی قربانی کے احیا کے لیے مقرر کیا گیا تاکہ لوگ جمع ہوں اور اللہ کی رضا کے لیے قربانی کریں۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بیان کردہ اصولوں کے مطابق اس دن ارتفاقِ ثانی کی اصلاح پر زور دیا گیا، یعنی خاندانی نظام اور اجتماعیت کو مضبوط بنایا جائے۔ مزید یہ کہ اس دن رسومات کی اصلاح بھی کی گئی، جہاں پہلے لوگ ستاروں اور سورج کی پرستش سے دن مناتے تھے، وہاں اب انبیاء اور اولیاء کی سنت کو یاد کر کے ابراہیمی طریقے کو زندہ کیا جاتا ہے۔ اس طرح عیدالاضحیٰ نہ صرف ایک مذہبی فریضہ ہے، بلکہ ایک ایسا اجتماعی نظام بھی ہے جو خدا پرستی، انسان دوستی، محبت، اتحاد اور شریعت کے مقاصد کو عملی شکل دیتا ہے''۔

عیدین: اتحاد، شعائر اور دینی قوت کا مظہر

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہ نے مزید فرمایا:

''امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے مطابق عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ میں مسلمانوں کی اجتماعی قوت کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ اس اجتماعیت کے ذریعے لوگوں کو اس بات میں شریک کیا جاتا ہے کہ وہ دینِ اسلام کے نظام کے حصہ ہیں۔ اسی تناظر میں عیدگاہ میں نماز ادا کرنا اور شہر کے ایک راستے سے عیدگاہ میں آنا اور دوسرے سے واپس گھر جانا مسلمانوں کی اسی قوت کے اظہار کا ذریعہ ہے، تاکہ جب لشکر کے لشکر نمازی اپنے گھروں سے نکل کر ایک وسیع میدان میں جمع ہوں تو ان کی طاقت اور شوکت واضح ہو۔ جب لاکھوں افراد مرد، عورت اور بچے ایک جگہ جمع ہو کر بلند آواز سے تکبیراتِ تشریق ''اللہ اکبر، اللہ اکبر، لا إلٰہ إلا اللّٰہ، واللہ اکبر، اللہ اکبر، ولِلّٰہ الحمد'' پڑھتے ہوئے آئیں تو اس سے اللہ کی بڑائی کا اعلان اور دین کی سیاسی طاقت کا اظہار ہوتا ہے۔

دینِ اسلام کے نظام میں قانون اور ضابطہ تو یہ تھا کہ وقت کا حکمران شہر سے باہر ایک بڑے میدان؛ عیدگاہ میں سب کو جمع کرے، تاکہ ایک عظیم اجتماع کے ذریعے امت کی اجتماعی قوت سامنے آئے، لیکن مسلمانوں کے نظامِ حکومت اور سیاست کے ختم ہونے کے بعد یہ اجتماعیت کمزور ہوگئی اور ہر مسجد میں الگ الگ عید ادا کی جانے لگی۔

عید کے خطبے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد تازہ کی جاتی ہے کہ وہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرنے کے لیے کس طرح اپنے بیٹے کو قربان کرنے کی آزمائش میں پورے اُترے، اور اس میں کامیاب ہوئے۔ اسی طرح حقیقی آزادی دلانے والے، غلامی کے نظام کو توڑنے والے اور انسانیت کو اللہ وحدہ لا شریک کے ساتھ جوڑنے والے فریڈم فائٹرز (حریت پسندوں) کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ اس کے برعکس، موجودہ دور میں ایسے لوگوں کی تعریف کی جاتی ہے جن کا حقیقی آزادی سے کوئی تعلق نہیں، جب کہ اصل حریت پسندوں کو نظر انداز کیا جاتا ہے۔

پوری دنیا میں مسلمان اس دن کو مناتے ہیں اور اس کی اتنی اہمیت اور تعظیم قائم ہو چکی ہے کہ کوئی شخص اس سے انحراف نہیں کر سکتا۔ یہاں تک کہ اگر کسی کے دل میں شکوک و شبہات بھی ہوں تو بھی وہ اس شعائر کو ادا کرنے پر مجبور ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ، خلفائے راشدین اور علمائے ربانیین کی جدوجہد سے اس شعائر کو اتنا رواج ملا کہ مسلم معاشروں میں اس کا انکار کرنا یا مذاق اُڑانا برداشت نہیں کیا جاتا۔ اگر یہ جدوجہد نہ ہوتی تو مسلمانوں کا حال بھی ان علاقوں جیسا ہو سکتا تھا، جہاں دین کی علامات مٹ چکی ہیں۔

قربانی کو بھی اس طرح رواج دیا گیا کہ آج اگر کوئی اس پر اعتراض کرے یا اسے ترک کرنے کی بات کرے تو اسے بھی معاشرے میں دباؤ کے تحت اس پر عمل کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح عیدالاضحیٰ دراصل مقاصد شریعت محمدیہ اور ملت ابراہیمیہ حنیفیہ کا عملی اظہار ہے، جس کے ذریعے دین کی تمکین، اجتماعیت اور شعائر کی حفاظت کو یقینی بنایا گیا ہے''۔

www.rahimia.org

حقیقی ابراہیمی تعلیمات اور جدید مغالطے

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا:

''آج عالمی سامراج' ابراہیمی دین کے نام پر جو ملغوبہ پیدا کرنا چاہتا ہے، خصوصاً متحدہ عرب امارات اور اسرائیل کے معاہدے کے تحت جو ''ابراہیم ایکارڈ'' یا نام نہاد ابراہیمی دین پیش کیا جا رہا ہے، اس کا حقیقی ابراہیمی تعلیمات سے کوئی تعلق نہیں، نہ ہی مسلم اُمہ اسے قبول کر سکتی ہے۔ قرآن نے واضح طور پر کہہ دیا: ''ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے، نہ نصرانی تھے، بلکہ وہ حنیف اور مسلم تھے'' (3- آلِ عمران: 67)، اس لیے جو لوگ یہودیت، نصرانیت یا صہیونیت کے پردے میں اپنے آپ کو ابراہیمی ظاہر کرتے ہیں، وہ حقیقت میں ابراہیمی نہیں ہیں۔ اصل ابراہیمی راستہ وہی ہے جو حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے مقاصد شریعت کے ذریعے متعین کیا۔ جو اس راستے کو اختیار کرے گا، وہی ابراہیمی کہلائے گا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اصل تعلیمات سمجھنے میں عیدالاضحیٰ کا اہم کردار ہے۔

عیدالاضحیٰ کا شعار دراصل مقاصد شریعت سے وابستہ ہے، اور اس کی تعظیم دل کے تقویٰ سے جڑی ہوئی ہے۔ جب انسان کے دل میں اللہ، رسولؐ اور شعائر کی عظمت پیدا ہوتی ہے تو وہ اس کے پورے وجود میں حالتِ الٰہیہ کی صورت میں سرایت کر جاتی ہے اور اس کے نتیجے میں عملی حمد – یعنی: اللہ کے لیے جانور ذبح کرنے – کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

پھر قربانی صرف جانور ذبح کرنا نہیں، بلکہ دراصل انسان کی اپنی روحانی اصلاح اور باطنی تزکیے کا ذریعہ ہے، انسان اپنے اندر موجود خرابیوں اور حجابات کو دور کرنے کے لیے اپنے حلال مال سے جانور خرید کر اللہ کی راہ میں قربان کرتا ہے۔ اس عمل سے اللہ اور رسول کی محبت دل میں گہری ہوتی ہے اور شعائر دین کی محبت روح کی غذا بن جاتی ہے۔ جیسے جسمانی کھانوں میں لذت ہوتی ہے اور انسان بار بار انھیں کھانا پسند کرتا ہے، اسی طرح ایک روح کی لذت بھی ہوتی ہے جو محبتِ الٰہی اور محبتِ رسولؐ سے حاصل ہوتی ہے، اور انسان کو بار بار اسی طرف مائل کرتی اور کھینچتی ہے۔

مزید یہ کہ عیدالاضحیٰ کو مناتے وقت مقاصد شریعت اور اصول شریعت محمدؐیہ کو سامنے رکھنا ضروری ہے۔ ان اصولوں میں نیتوں کی درستگی، اللہ کی وحدانیت کا اقرار، باطل نظریات – جیسے علم نجوم اور مجوسی تصورات – سے اجتناب، حلال وحرام کی پابندی اور شبہات سے بچنا شامل ہے۔ اگر عید کو ان اصولوں کے مطابق منایا جائے تو یہ دین کے غلبے اور تمکین کا ذریعہ بنتی ہے۔ لیکن اگر عید کو صرف رسم کے طور پر منایا جائے، غفلت میں وقت گزار دیا جائے، انسانوں کے درمیان باہمی تعلقات درست نہ کیے جائیں، یا اسے صرف کھانے پینے، سونے اور سوشل میڈیا کی لایعنی سرگرمیوں میں مشغول رہنے تک محدود کر دیا جائے، تو پھر یہ عید اپنی اصل روح کھو دیتی ہے اور محض ایک رسم بن کر رہ جاتی ہے، جیسے جاہلیت کے زمانے میں فرعون کے لوگ ''یوم الزینہ'' مناتے تھے۔ اس صورت میں نہ تزکیہ حاصل ہوتا ہے، نہ شریعت محمدؐیہ کا مقصد پورا ہوتا ہے اور نہ ہی سیاستِ نبویؐ کی جامعیت ظاہر ہوتی ہے''۔

حقیقتِ عید: رؤیتِ ہلال، تزکیہ اور دینی شعور

حضرت آزاد رائے پوری مدظلہٗ نے مزید فرمایا: ''عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ' قمری کیلنڈر کے مطابق چاند کی رؤیت سے وابستہ ہیں، اور ہر قوم اپنے قومی اور ملکی مطلع کے مطابق چاند دیکھ کر مہینے کا آغاز کرتی ہے۔ لیکن موجودہ دور میں یہ بات کہنے کا رواج سا بن گیا ہے کہ کہیں اَور چاند نظر آئے اور پوری دنیا اسی کے مطابق عید منائے، حال آں کہ یہ طریقہ درست نہیں۔ مثال کے طور پر اگر سعودی عرب میں چاند نظر آئے اور پاکستان یا چین میں نظر نہ آئے، پھر بھی وہاں عید منانا شریعت کے اصولوں کے مطابق نہیں، بلکہ محض ایک رسم رہ جاتی ہے۔ فلکیاتی حساب اور سائنسی اندازوں کی بنیاد پر عیدوں کا تعین کرنا بھی شریعت محمدیہؐ کے اصولوں کے خلاف قرار دیا گیا ہے۔ کیوں کہ شریعت نے علم نجوم اور اندازوں کی بنیاد پر قائم تصورات کی نفی کی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا واضح فرمان ہے کہ: ''چاند دیکھ کر روزہ رکھو اور چاند دیکھ کر افطار کرو''۔ (صحیح مسلم: 2515) اس لیے محض سائنس دانوں یا رصدگاہوں کے حساب پر انحصار کرنا درست نہیں۔ اگر چاند واقعی نظر آئے تو حج اور عید درست ہیں، ورنہ غلط اعلان سے لاکھوں لوگوں کی عبادات متأثر ہو سکتی ہیں۔ اس لیے چاند کی رؤیت عوامی ہونی چاہیے، یعنی عام لوگ اپنی آنکھوں سے دیکھیں، نہ کہ مخصوص اداروں یا حکومتوں کے اعلان پر انحصار کیا جائے۔ گویا عید کو حکومتی اعلان یا فلکیاتی کیلنڈر کے بجائے عوامی اجتماعیت اور حقیقی رؤیت کے مطابق منایا جائے، حکومتی اعلانات کو حقیقی رؤیت کے مطابق ہونا ضروری ہے۔ تب ہی یہ شریعت محمدیہؐ اور دین ابراہیمی کے مطابق ہوگی، ورنہ یہ صرف ''یوم الزینہ'' اور کھیل تماشا بن کر رہ جائے گی۔

قربانی کا جانور بھی حلال مال سے ہونا چاہیے۔ اگر کوئی شخص رشوت، لوٹ مار یا حرام مال سے جانور خرید کر قربانی کرے تو وہ ذبیحہ ابراہیمی نہیں بلکہ بے معنی عمل ہے۔ اسی طرح اگر کسی نے دوسروں پر دباؤ ڈال کر' یا رشوت کے طور پر ناجائز طریقے سے جانور حاصل کیا تو وہ بھی درست نہیں۔ اصل قربانی وہ ہے جو اپنے حلال مال سے اللہ کی رضا کے لیے کی جائے۔ اسی طرح عیدالاضحیٰ کے موقع پر ہونے والی مختلف خرافات اور انحرافات سے بچنا بھی ضروری ہے، جیسے فضول دعوتیں، کھانے کا ضیاع، غریبوں کو نظر انداز کرنا، اور ایسی محافل جن میں غیر شرعی کام ہوتے ہیں۔ یہ سب عید کی روح کے خلاف اور محض کھیل تماشہ ہیں۔ اسی طرح جعلی طور پر عبادات کے شعائر، جیسے خانہ کعبہ یا روضہ رسول کے ماڈل بنانا، بھی گمراہی کا سبب ہے اور دین میں نئی خرابیاں پیدا کرتا ہے۔ عیدالاضحیٰ وہی ہے جو محمد مصطفیٰ ﷺ کی شریعت کے مطابق ہو۔ جتنا اس سے انحراف ہوگا، اتنا ہی وہ عمل' دین ابراہیمی کے دائرے سے باہر ہو جائے گا۔ اس لیے ہر مسلمان پر لازم ہے کہ وہ مقاصد شریعت محمدیہ اور اصول شریعت کو سمجھے اور اپنی عبادات کو اسی کے مطابق انجام دے۔ عید الاضحیٰ کا اصل مقصد خدا پرستی، انسان دوستی، تزکیہ نفس اور اللہ کے ساتھ تعلق کو مضبوط کرنا ہے، اور اسی کے ذریعے دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل کی جا سکتی ہے''۔

www.rahimia.org

معاشیات

تحریر: مبین قریشی

اسلامی سلطنت کی پہلی کرنسی

رسول اللہ ﷺ نے عربوں کو پہلی مرتبہ ایک مرکزی سیاسی اکائی میں منظم کیا۔ اس سے قبل جزیرۂ عرب کی صورتِ حال منتشر تھی۔ کچھ علاقے رومی بازنطینی سلطنت کے زیرِ اثر تھے، کچھ فارسی ساسانی سلطنت کے ماتحت اور باقی آزاد قبائلی نظام میں زندگی بسر کرتے تھے۔ اسی وجہ سے عربوں کا اپنا کوئی قومی سکہ موجود نہیں تھا۔

اس دور میں عربوں کے ہاں رومی سونے کا دینار اور فارسی چاندی کا درہم رائج تھے۔ چوں کہ یہ دونوں سلطنتوں کے معیاری سکے تھے، اس لیے انھیں حقیقی مال (ثمنِ حقیقی) کی حیثیت حاصل تھی۔ تاہم ان سکوں کی قدر بہت زیادہ تھی، جس کے باعث یہ بڑی مالی لین دین (جیسے غلاموں، زمین اور جانوروں کی خرید و فروخت وغیرہ) کے لیے تو موزوں تھے، لیکن روزمرہ کی چھوٹی خریداری کے لیے کارآمد نہ تھے۔ اسی کمی کے باعث طویل عرصے تک چھوٹے معاملات بارٹر سسٹم کے ذریعے طے پاتے رہے۔

بعدازاں، دونوں سلطنتوں نے اپنے بڑے سکوں کے تحت چھوٹے درجے کے سکے جاری کیے۔ اس ضمن میں اصل مسئلہ رومی سلطنت کو درپیش تھا، کیوں کہ ایک دینار کی قدر آج کے پونے دو لاکھ روپے کے لگ بھگ تھی۔ ایسے میں چند ہزار روپے کے برابر لین دین عملاً ممکن نہ تھی۔ اس کے برعکس فارسی درہم چوں کہ چاندی کا تھا اور اپنی قدر میں دینار سے دس گنا کم تھا، اس لیے وہاں یہ مسئلہ کم شدت کا تھا۔ رومیوں نے اس خلا کو پُر کرنے کے لیے تانبے کے سکے جاری کیے جو ''فلس'' (لاطینی: Follis) کہلاتے تھے، جن کی جمع فلوس تھی۔ فارسی سلطنت میں بھی اسی طرز پر تانبے کے سکے رائج تھے جو ''پشیز'' (Pashiz) کہلاتے تھے، مگر چوں کہ فارس میں ہر علاقے کا اپنا وزن اور معیار تھا، اس لیے یہ سکے یکساں نہ تھے۔

یوں عرب علاقوں میں بہ یک وقت رومی دینار، فارسی درہم اور رومی فلوس گردش میں رہے۔ عمومی حساب کے مطابق ایک دینار کے دس درہم، ایک درہم کے 48 سے 60 فلوس، اور یوں ایک دینار کے 480 سے 600 فلوس بنتے تھے۔ لفظ ''مفلس'' بھی اسی فلوس سے نکلا، جو ناداری کی علامت بن گیا۔

اسلامی سلطنت میں رسول اللہ ﷺ کے عہد سے لے کر خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم اور پھر اُموی خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ تک تقریباً 75 برس تک یہی رومی اور فارسی سکے استعمال ہوتے رہے۔ تاہم جب رومی بازنطینی سلطنت کے وسیع علاقے اسلامی ریاست میں شامل ہو گئے اور بنواُمیہ نے اپنے زیرِنگیں علاقوں پر عربی تہذیب و تمدن کی چھاپ ڈالنا شروع کی تو بازنطینی سلطنت کے ساتھ کشیدگی بڑھنے لگی۔ شام، اُردن اور مصر جیسے علاقوں میں مقامی زبانوں کی جگہ عربی نے سرکاری و تہذیبی حیثیت اختیار کر لی اور نئی اسلامی شناخت واضح ہونے لگی۔

اسی زمانے میں بازنطینی سلطنت، مصر سے درآمد ہونے والے پاپائرس (Papyrus) پر انحصار کرتی تھی۔ عبدالملک بن مروانؒ نے حکم دیا کہ مصر میں تیار ہونے والے پاپائرس کے بنڈلوں پر لگنے والی سرکاری مہروں سے بازنطینی علامات ہٹا کر ان کی جگہ اسلامی کلمہ ''لا إلٰہ إلّا اللّٰہ'' درج کیا جائے۔ جب بازنطینی شہنشاہ جسٹینین دوم کو اس کا علم ہوا تو اس نے اسے رومی وقار کی توہین قرار دیا اور دھمکی دی کہ اگر یہ عبارت نہ ہٹائی گئی تو وہ اپنے سونے کے سکوں پر رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ کلمات یا تصاویر نقش کر دے گا۔

اس وقت مسلم دنیا میں بازنطینی سونے کے سکے (Solidus) ہی رائج تھے اور جسٹینین کو معلوم تھا کہ مسلمان معاشی طور پر انھی پر انحصار کرتے ہیں، لیکن عبدالملک بن مروانؒ نے بلیک میل ہونے کے بجائے غیر معمولی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے بازنطینی سکوں کا بائیکاٹ کر دیا اور ۷۶ ہجری میں اسلامی سلطنت کی تاریخ کا پہلا سونے کا دینار جاری کر دیا۔ اس نئے دینار پر شہنشاہ کی تصویر اور صلیب کی جگہ ''قُلْ ھُوَ اللّٰہُ أَحَد'' اور ''مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہ'' کے کلمات نقش تھے۔ یہ اقدام محض ایک نیا سکہ نہیں تھا، بلکہ بازنطینی مالیاتی نظام کی اجارہ داری کے خاتمے کا اعلان تھا۔

جسٹینین نے اس معاشی خودمختاری کو بغاوت سمجھتے ہوئے فوجی حملہ کیا، مگر سیباسٹوپولس کی جنگ میں بازنطینیوں کو عبرت ناک شکست ہوئی۔ اس جنگ میں مسلمانوں نے اپنے ملکی جھنڈے کی بجائے جسٹینین کی طرف سے آئے ہوئے دھمکی آمیز خط کو اپنا جنگی جھنڈا بنایا۔ یوں خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ نے فوجی اور معاشی دونوں محاذوں پر فیصلہ کن فتح حاصل کی۔

اگلے ہی سال، ۷۸ ہجری میں، اس نے ساسانی طرز کے تصویر دار درہم بھی بند کر کے اپنا چاندی کا درہم جاری کیا، جس کا وزن 2.97 گرام مقرر ہوا، جو فقہی اصطلاح میں درہمِ شرعی کہلاتا ہے۔ چوں کہ دینار اور درہم عام آدمی کی روزمرہ خریداری کے لیے مہنگے تھے، اس لیے عبدالملکؒ نے تانبے کے ''فلوس'' بھی جاری کیے۔ ابتدائی فلوس پر خلیفہ عبدالملکؒ کی تصویر تھی، جسے ''کھڑے خلیفہ والا سکہ'' کہا جاتا ہے، مگر اگلی کھیپ میں تصویر ہٹا کر ان پر عربی عبارات اور قرآنی آیات درج کر دی گئیں۔

عبدالملک بن مروانؒ نے سونے، چاندی اور تانبے کے سکوں کے درمیان ایک قانونی نسبت بھی قائم کی۔ دینار اور درہم کا وزن اور قدر ریاستی طور پر مقرر تھا، جب کہ فلوس کی قدر بازار کی طلب و رسد کے مطابق بدلتی رہتی تھی اور ان کا وزن بھی مقرر نہ تھا۔ اگرچہ عموماً 3 سے 5 گرام کے درمیان رہا۔ یہاں بنیادی فرق یہ تھا کہ فلوس کی قدر اس پر ثبت سرکاری مہر سے متعین ہوتی تھی، نہ کہ اس کے اندر موجود دھات سے۔

یورپ میں سونے کی کمی اور غیر معیاری سکوں کے باعث جب عبدالملکؒ کا خالص سونے کا دینار عالمی منڈی میں آیا تو اسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی۔ یورپ کے کئی علاقوں میں اسے ''مینکوس'' کہا جانے لگا، حتیٰ کہ آٹھویں صدی میں برطانیہ کے علاقے

www.rahimia.org

مرسیا کے بادشاہ آفا (King Offa) نے ایک سکہ جاری کیا، جو عبدالملک کے دینار کی مکمل نقل تھا، یہاں تک کہ اس پر عربی میں "لا إلـه إلّا اللّٰه" بھی کندہ تھا، تاکہ وہ بین الاقوامی تجارت میں قابلِ قبول ہو سکے۔

یوں عبدالملک بن مروانؒ کے جاری کردہ سکے نہ صرف مسلم دنیا، بلکہ عالمی سطح پر ایک نیا مالی معیار بن گئے۔ سخت کوالٹی کنٹرول، قانونی تحفظ اور ریاستی ضمانت نے ان سکوں کو اپنے عہد کا یونیورسل اسٹینڈرڈ بنا دیا۔

عبدالملک بن مروانؒ کے عہد ساز کرنسی ریگولیشنز (ضابطے)

عبدالملک بن مروانؒ کے مانیٹری نظام کی اصل انفرادیت ''ریاستی اجارہ داری'' (State Monopoly) کے قیام میں تھی۔ انھوں نے پوری ریاستِ اسلامیہ میں سکہ ڈھالنے کا اختیار نجی ہاتھوں سے لے کر مکمل طور پر مرکز کو منتقل کر دیا اور صرف سرکاری ٹکسال (دارالضرب) کو سکے جاری کرنے کا قانونی حق دیا۔ ہر سکے پر سرکاری مہر ثبت کی جاتی تھی، جو اس کے وزن اور ''خالص ہونے'' (Purity) کی ریاستی گارنٹی تھی۔ آج کے دور میں نوٹ پر گورنر کے دستخط اور ''حامل ہذا کو مطالبے پر ادا کیا جائے گا'' دراصل اسی دور کی سرکاری مہر کی گارنٹی کی ایک جدید، مگر مختلف شکل ہے۔

ریاستی نگرانی صرف ٹکسال تک محدود نہ تھی، بلکہ بازار میں سکوں کے استعمال پر بھی کڑی نظر رکھی جاتی تھی۔ دارالضرب کی نگرانی کے لیے ''ناظرِ دارالضرب'' جیسے خصوصی عہدے داران مقرر تھے، جن کا کام یہ یقینی بنانا تھا کہ ہر سکہ وزن اور معیار کے طے شدہ قانون پر پورا اُترے۔ دینار کا وزن 4.25 گرام اور 97% خالص (22 قیراط) جب کہ درہم 2.975 گرام اور ان دونوں کے درمیان وزن نسبت 7/10 اور قوت خرید کی نسبت 1/10 رہے۔ عراق کے گورنر حجاج بن یوسف کی سخت گیر انتظامی پالیسیوں نے ان معیارات کے نفاذ اور مالی بے قاعدگیوں کے خاتمے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

سکوں کے ''کنارے کترنے'' (Clipping)، دھات میں ملاوٹ، یا جعلی سکہ سازی کو محض تجارتی بددیانتی نہیں، بلکہ معاشی فساد اور ریاست کے خلاف سنگین جرم تصور کیا جاتا تھا۔ محتسب اور بازار کے نگران ناقص یا مشکوک سکوں کو گردش سے روکنے کے ذمہ دار تھے، تاکہ کرنسی کے استحکام کو بہ طور ''اجتماعی مفاد'' (Public Good) تحفظ فراہم کیا جا سکے۔

خلیفہ عبدالملک بن مروانؒ (جو خود بھی بڑے محدث اور فقیہ تھے) کے دور میں فقہا نے مانیٹری نظام کو ٹھوس شرعی و اَخلاقی بنیادیں فراہم کیں۔ ملاوٹ شدہ سکوں، جنھیں فقہی اصطلاح میں ''غِل'' کہا جاتا تھا، کے بارے میں دو اہم اجتہادات سامنے آئے:

1۔ جعلی یا ناقص سکہ معلوم ہونے کے باوجود آگے چلانا، فقہی اور قانونی طور پر حرام قرار دیا گیا، کیوں کہ یہ دھوکہ دہی ہے۔

2۔ اگر کسی سے لاعلمی میں ایسا سودا ہو جائے تو اس پر ''ضمان'' (Compensation) لازم کی گئی، یعنی اسے اصل مال یا خالص سکہ واپس کرنا واجب ٹھہرا۔

اس نظام نے اسلامی ریاست میں پہلی مرتبہ حقیقی طور پر ''قانونی زر'' (Legal Tender) کا تصور عملاً نافذ کیا۔ خراج، جزیہ، زکوٰۃ اور سرکاری تنخواہوں کو ایک معیاری مانیٹری یونٹ (دینار و درہم) سے وابستہ کر دیا گیا، جس سے ریاستی حساب کتاب شفاف اور ''قابلِ آڈٹ'' (Auditable) ہو گیا۔

اس سے قبل ''محصولات جنس'' (Commodity) یا مختلف مقامی سکوں کی صورت میں وصول کیے جاتے تھے، جس سے مالیاتی نظم غیر مربوط رہتا تھا۔ دینار اور درہم کے عالمی نفاذ نے خلافت کے وسیع جغرافیائی علاقوں میں ایک ایسی مالیاتی وحدت پیدا کی جو سیاسی خودمختاری کا سب سے بڑا مظہر بن گئی۔ بعد کے ادوار میں اپنا سکہ جاری کرنا مسلمان حکمرانوں کی آزادی کا پہلا اعلان تصور کیا جانے لگا۔

ان ریگولیشنز (ضابطوں) کے نتیجے میں ان سکوں کو وہ غیر معمولی عالمی اعتماد حاصل ہوا کہ مسلم، غیر مسلم؛ عیسائی اور یہودی تاجر بین الاقوامی معاہدوں میں ادائیگی کو "دنانیرِ اسلامیہ وزنًا وضربًا" (سرکاری وزن اور مہر والے اسلامی دینار) سے مشروط کرنے لگے۔ وقت کے ساتھ مسلمانوں کا دینار بحیرۂ روم اور یورپ کی تجارت میں ''ریزرو کرنسی'' بن گیا، حتیٰ کہ قرونِ وسطیٰ کے یورپ میں سونے کے مشہور سکے، جیسے فلورنس کا ''فلورین'' (Florin) اور وینس کا ''دوکات'' (Ducat)، اپنے وزن، معیار اور اعتبار میں واضح طور پر اسی دینار ہی کے نمونے پر تیار کیے گئے تھے۔ اس طرح عبدالملک بن مروان کا قائم کردہ نظام نہ صرف اسلامی تاریخ، بلکہ عالمی مالیاتی تاریخ کا ایک فیصلہ کن سنگِ میل ثابت ہوا۔

بقیہ: صحابیہؓ کا ایمان افروز کردار

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو دینِ حق، نبی پاک ﷺ اور اللہ تعالیٰ کی ذات سے جو گہرا تعلق اور عشق تھا، اس کا اظہار بھی ان کے ان اعمال سے ہوتا ہے۔

بعثت کے تیرہویں سال صحابہ کرامؓ کو آپ ﷺ نے مدینہ کی طرف ہجرت کی اجازت دی تو حضرت فاطمہؓ اور آپؓ کے شوہر حضرت سعیدؓ مہاجرین اولین کے ساتھ مدینہ پہنچے۔ حضرت ابولبابہ انصاریؓ کے گھر قیام کیا اور کچھ ہی دنوں کے بعد اپنا گھر بنا کر اس میں منتقل ہو گئے۔ مدنی زندگی کے تمام مشاہد و غزوات اور قومی اجتماعی معاملات میں بھی اس جوڑے نے ہر موڑ پر حصہ لیا۔ اس جوڑے کی اجتماعی خدمات لوگوں میں زبان زدِ عام تھیں، جو کہ انسان دوستی کا مظہر ہے۔

بعض اہلِ سیر نے لکھا ہے حضرت فاطمہؓ بنت خطاب علم و فضل کے لحاظ سے بڑے بلند مرتبے پر فائز تھیں۔ وہ نہایت عقل مند، نیک کاموں میں پیش پیش، شر سے دور اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پابند تھیں۔ گویا آپؓ دینی اور قریشی اقدار کی حفاظت مین عملی کردار ادا کرنے والے لوگوں میں شامل ہیں۔ حضرت فاطمہؓ کی وفات خلافتِ فاروقی میں ہوئی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

www.rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore CPL No. 59

رفتارِ کار---

رپورٹ: فہد محمد عدیل، گوجرانوالا

تقریب بسلسلۂ افتتاح بخاری شریف وعلومِ اسلامیہ کورس

ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں ایک پُروقار تقریب، بسلسلہ افتتاحِ صحیح بخاری شریف وافتتاح چار سالہ درسِ نظامی کورس مؤرخہ 12/اپریل 2026ء بروز اتوار منعقد ہوئی۔ تقریب کا آغاز تلاوتِ قرآنِ حکیم اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ سے ہوا۔

تقریب کی صدارت صدرِ ادارہ رحیمیہ، حضرت مولانا عبدالمتین نعمانی مدظلہ نے فرمائی، جب کہ نظامت کے فرائض مولانا محمد جمیل نے سرانجام دیے۔ تقریب کے مہمانِ خصوصی ادارہ رحیمیہ کے ناظمِ اعلیٰ حضرت اقدس مولانا مفتی شاہ عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ العالی تھے، جنھوں نے صحیح بخاری شریف کے تعارُف اور اہمیت پر علم افروز خطاب فرمایا۔ نیز ادارہ رحیمیہ میں شروع ہونے والی چار سالہ درسِ نظامی کورس (برائے پروفیشنلز، انڈر گریجویٹس وگریجویٹس) کے حوالے سے رہنمائی فرمائی۔ ان کا کہنا تھا کہ: ''یہ چار سالہ کورس خصوصاً نوجوان طلبا کے لیے ترتیب دیا گیا ہے، جو قرآنِ حکیم کا فہم حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے افکار کی روشنی میں عصری تقاضوں پر رہنمائی فراہم کرتا ہے''۔ نیز فرمایا کہ: ''اس کورس کی بنیادی خصوصیات میں عربی صرف ونحو کی ابتدائی و بنیادی تعلیم، قرآنی علومِ خمسہ اور ان کے تاریخی ارتقا کا تعارف، نیز علمِ اسرارِ دین کی روشنی میں احادیث اور ان کے اصولوں کا فہم وادراک شامل ہے۔ اس کورس میں مختلف تفاسیر کے اسالیب کا تقابلی جائزہ اور ولی اللّٰہی علومِ تفسیر کے اسلوب کے تحت قرآن کے انقلابی پیغام کا شعوری مطالعہ بھی شامل کیا گیا ہے، جو طلبا میں اعلیٰ درجے کی علمی وفکری صلاحیتیں پیدا کرنے میں معاون ثابت ہوگا''۔ آخر میں حضرت اقدس مدظلہ العالی کے دعائیہ کلمات کے ساتھ تقریب کی تکمیل ہوئی۔ اس تقریب میں لاہور اور گردو نواح سے کثیر تعداد میں علمائے کرام، گریجویٹس اور پروفیشنلز نے شرکت کی۔

بقیہ: افکار امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اُن سات آدمیوں کے بارے میں فرمایا کہ جن پر اللہ تعالیٰ کا اُس دن سایہ ہوگا، جہاں اس کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا کہ: ''وہ آدمی جو تنہائی میں اللہ کا ذکر کرے اور اُس کی آنکھیں ڈبڈبا جائیں''۔ (متفق علیہ، مشکوٰۃ:701)

اسی طرح آپ ﷺ نے فرمایا کہ: ''اللہ کے ڈر سے رونے والا آدمی جہنم میں داخل نہیں ہوگا، یہاں تک کہ دودھ تھن میں واپس چلا جائے''۔ (جامع ترمذی، مشکوٰۃ:3828)

اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہٗ کے بارے میں آتا ہے کہ آپؓ بہت زیادہ رونے والے فرد تھے۔ جب قرآن پڑھتے تھے تو آپؓ کو اپنی آنکھوں پر اختیار نہیں ہوتا تھا اور آنسو بہتے تھے۔ (صحیح بخاری:476) حضرت جُبیر بن مطعم رضی اللہ عنہٗ فرماتے ہیں کہ: ''مَیں نے نبی اکرم ﷺ سے یہ آیت سنی: ''کیا یہ لوگ بغیر کسی چیز کے پیدا کر دیے گئے؟ یا یہ لوگ مخلوق کے خالق ہیں''۔ (طور:35) یہ سن کر میرا دل لرزنے لگا۔ (صحیح بخاری:4554) (حُجّة الله البالغه، ابواب الاحسان، باب: 4، المقامات والاحوال)

دینی مسائل

اس صفحے پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیے جاتے ہیں!

ازحضرت مفتی عبدالقدیر شعبۂ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال مَیں بیرونِ ملک رہتا ہوں۔ یہاں مقامی سٹور سے مشینی ذبیحے والے جانور کے گوشت پر ''حلال'' کی مہر نہیں ہوتی، مگر یہ سستا ہوتا ہے، جب کہ مہر شدہ دور جا کر لینا پڑتا ہے اور وہ مہنگا بھی ہوتا ہے۔ تو کیا مقامی سٹور والا گوشت استعمال کر سکتا ہوں یا نہیں؟

جواب مروّجہ مشینی ذبیحے میں اکثر وہ اُمور پائے جاتے ہیں، جو خلافِ سنت اور اسلامی تعلیمات کے منافی ہیں۔ نیز جانور کو ذبح سے پہلے الیکٹرک شاک دے کر بے ہوش کرنا شرعاً درست نہیں ہے۔ اور ایسے جانور کا ذبح سے قبل ہی مرنے کا بالعموم اندیشہ ہوتا ہے، لہٰذا جب تک کسی معتبر ادارے کی حلال اور شرعی شرط کی مکمل پاسداری یقینی نہ ہو، تب تک ایسے گوشت کے استعمال سے مکمل احتیاط برتنی چاہیے۔ اس کے مقابلے میں حلال اور طیب چیز کے حصول کو۔ چاہے وہ مہنگا ہو یا اس کے لیے مشقت اُٹھانی پڑے۔ بہرصورت ترجیح ہونی چاہیے۔

قرآن حکیم میں ارشادِ ربانی ہے: ''اے لوگو! زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ کھاؤ اور شیطان کی پیروی نہ کرو! بے شک وہ تمھارا دشمن ہے''۔ (2-البقرہ:168) تین آیات کے بعد مسلمانوں کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا: ''اے ایمان والو! کھاؤ پاکیزہ چیزیں، جو روزی دی ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ تعالیٰ کا، اگر تم اس کے بندے ہو۔ اس نے تو تم پر یہی حرام کیا مردہ جانور اور لہو (خون) اور گوشت سور کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اَور کا''۔ (2-البقرہ 172-173) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''مردار وہ ہے کہ خود بہ خود مر جائے اور ذبح کی نوبت نہ آئے، یا خلافِ طریقۂ شرعیہ اس کو ذبح یا شکار کیا جائے، مثلاً گلا گھونٹا جائے، یا زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے، یا لکڑی اور پتھر اور غلیل اور بندوق سے مارا جائے، یا اوپر سے گر کر یا کسی جانور کے سینگ مارنے سے مر جائے، یا درندہ پھاڑ ڈالے، یا ذبح کے وقت قصداً تکبیر کو ترک کیا (چھوڑ دیا) جائے، یہ سب مردار اور حرام ہیں، البتہ بحکم حدیث شریف: دو جانوروں کو اس حکم سے مستثنیٰ اور ہم کو حلال ہیں: مچھلی اور ٹڈی''۔

عیدالاضحیٰ، شعائرِ الٰہیہ اور قربانی کی اہمیت

(احکام ومسائل اور خطبات)

ازحضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد رائے پوری مدظلہ

پمفلٹ شائع ہو چکا ہے۔

ادارہ کی بک شاپ سے حاصل کیا جا سکتا ہے۔

ٹوٹل صفحات:64۔ رعایتی قیمت:100 روپے

بذریعہ ڈاک منگوانے کے لیے رابطہ کیجیے: راؤ عتیق الرحمٰن خاں 0332-7203090

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہ نامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ لاہور سے جاری کیا۔